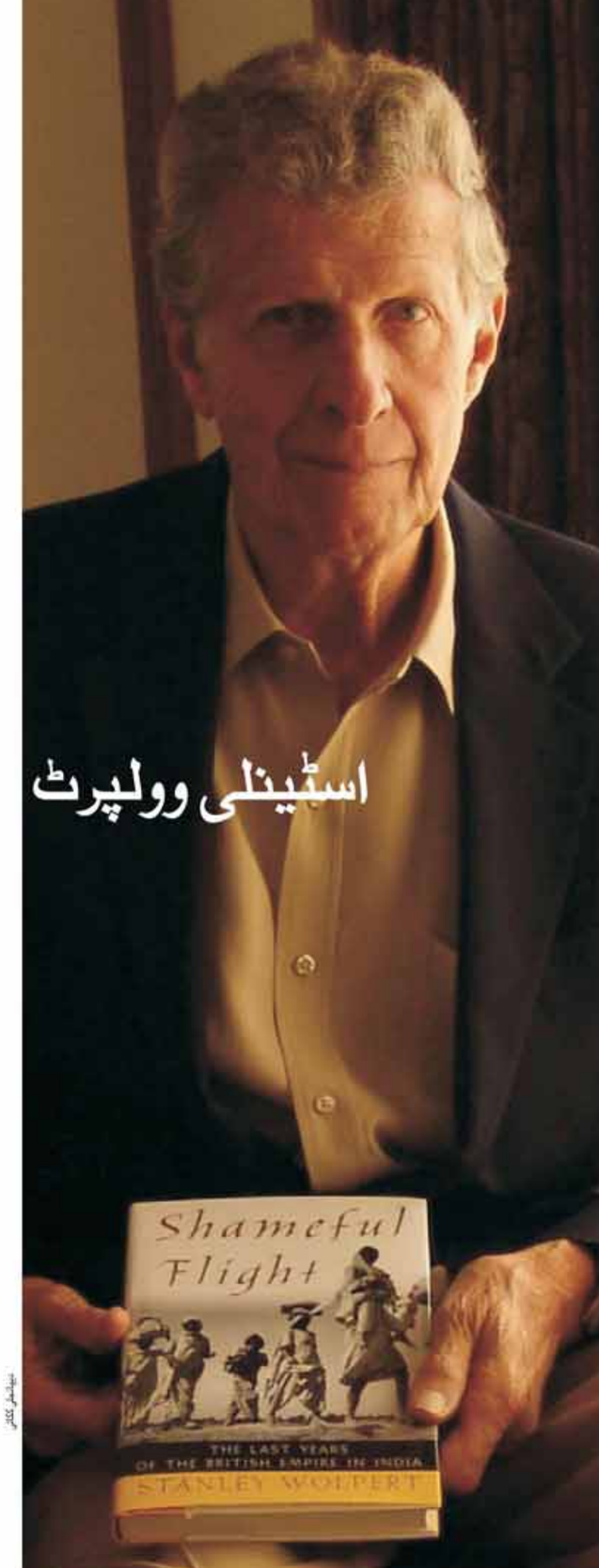

بشکریہ: اسٹینلی وولپرٹ

ہندوستانی تاریخ کے تعاقب میں

دیپانجلی ککاتی

میں سوگواروں کی تعداد اور ان کے جذبۂ رنج والم پر دم بخود تھا۔ میں تصورنہیں کرسکتا تھا کہ کوئی شخص قوم کے باپو کو کیوں مارنا چاہے گا۔

آخر وہ محرکات کیا تھے جن کے سبب امریکی تجارتی جہاز رانی کے ایک نوجوان انجینئر نے اپنے کیریر کو تبدیل کرکے ہندوستانی تاریخ کا غائر مطالعہ کرنے کی ٹھانی؟ اس سوال کا جواب اُن غیر متوقع تجربات میں پوشیدہ ہے جو انقلاب آفریں بن گئے۔

موہن داس کرم چند گاندھی کے سانحۂ قتل کے ۱۳ دنوں بعد، فروری ۱۹۴۸ میں، ۲۰ سالہ اسٹینلی وولپرٹ سیاحت کے لئے ممبئی آئے۔ بندرگاہ پر قدم رکھتے ہی انہوں نے اپنے کو لاکھوں انسانوں کے درمیان گھرا ہوا پایا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس یہ سوگواران چوپاٹی بیچ کی جانب رواں دواں تھے جہاں گاندھی جی کی راکھ کو سپرد آب کیا جانا تھا۔

وولپرٹ کہتے ہیں ''میں سوگواروں کی تعداد اور ان کے جذبۂ رنج والم پر دم بخود تھا۔ میں تصور نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی شخص قوم کے باپو کو کیوں مارنا چاہے گا۔'' ان کی حیرانی اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں لوگ ایک چمکدار سفید جہاز کا، جس پر راکھ کی مٹکی رکھی ہوئی تھی، تیر کر پیچھا کررہے تھے تاکہ سپرد آب کرنے سے قبل گاندھی جی کی راکھ کو چھو سکیں۔

لیکن جس چیز نے ان کی دلچسپی میں اضافہ کیا وہ یہ حقیقت تھی کہ گاندھی جی کو جس شخص نے قتل کیا وہ ان کا ہم عقیدہ تھا۔ لاس اینجلیز میں واقع یونیورسٹی آف کیلی فورنیا میں تاریخ کے پروفیسر ایمریٹس، وولپرٹ کہتے ہیں، ''میں قتل عمد کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ ہندوستان اور میں دونوں ہی اس کے مطالعے میں ہمیشہ سے منہمک رہے ہیں۔ گاندھی جی پر ان کی پہلی کتاب ''نائن آورز ٹو راما'' میں قتل کی تفصیلات کو افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ میں شائع ہوئی تھی۔

ہندو پاک کی جدید تاریخ پر مہارت تامہ رکھنے والے وولپرٹ، برصغیر کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے وقائع نگار ہیں۔ وولپرٹ، نومبر میں نئی دہلی تشریف لائے۔ اس موقع پر انہوں نے دانشوروں اور سماجی سائنسدانوں کی ایک نشست میں اپنی نئی کتاب ''شیم فل فلائٹ'' پر روشنی ڈالی۔ اس کتاب میں برطانوی استعماری دور کے خاتمے کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ہندوستانی جدوجہد آزادی کے چند نامعلوم گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ صدر امریکہ فرینکلن ڈی روزویلٹ نے برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل سے پیہم اصرار کیا تھا کہ ہندوستان کو ایک آزاد ملک بنایا جائے۔

وولپرٹ کا خیال ہے کہ ''امریکیوں کو ہندوستان کی اہمیت وافادیت کا احساس بتدریج بڑھتا جارہا ہے، خاص طور پر، جب کبھی انہیں کوئی مشکل درپیش آتی ہے مثلاً ان کے ہوائی سفر میں انہیں کوئی دقت محسوس ہوتی ہے یا انہیں کوئی مشینری نصب کرنی ہوتی ہے تو عام طور پر اُن کی پکار پر لبیک کی صدا بنگلور اور پونے سے آتی ہے۔''

امریکہ کے ذریعے ہندوستان کو ٹھیکے پر کام دئے جانے پر امریکہ میں ہونے والے ردِ عمل کے بارے میں پوچھے جانے پر انہوں نے جواب دیا کہ تبدیلی اور انقلاب کے خلاف ہمیشہ مزاحمتیں ہوتی ہیں۔'' آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ (انگلینڈ میں) صنعتی انقلاب کے خلاف لوڈائٹس نے جان توڑ مزاحمت کی تھی۔ اسی طرح امریکہ میں چند لوگ ایسے ضرور ہیں جو گلوبلائزیشن کو مضر سمجھتے ہیں لیکن امریکہ میں، میرے خیال میں، ایسے لوگ محض مٹھی بھر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جن لوگوں کو روزگار کا زیاں ہوا ہے، جلد ہی انہیں نئے روزگار مل جائیں گے اور وہ ایک کارآمد اور اچھی زندگی گزار سکیں گے۔

مسئلہ کشمیر کا ایک عرصے سے مشاہدہ کرنے والے وولپرٹ کہتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اس مسئلے کا تصفیہ دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ ان کی اگلی کتاب ''ہندوستان اور پاکستان: متواتر تصادم یا تعاون؟'' (انڈیا اینڈ پاکستان کنٹی نیوڈ کنفلکٹ آور کوآپریشن؟) اس خطے کے مسائل پر ان کے مستقل مطالعے کی آئینہ دار ہے۔ وولپرٹ کو توقع ہے کہ اس دہائی کے خاتمے سے پہلے یہ کتاب منظر عام پر آجائے گی۔

وہ ہندوستان اور پاکستان کے مابین مزید آمدورفت اور بس کے ذریعے نقل وحمل کے پرجوش موید ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''سامانوں اور خدمات کے مبادلے کے ساتھ ساتھ تبادلۂ افکار وخیالات کا عمل بھی جاری رہنا چاہئے۔ یہ چیز رفتہ رفتہ اس بات کا احساس دلادے گی یا یاد دہانی کرادے گی کہ وہ درحقیقت ایک ہی قوم ہیں۔''

وہ مزید کہتے ہیں، ''میں سمجھتا ہوں کہ ایک حتمی حل عنقریب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اس سال نہ ہو، شاید اگلے سال بھی نہ ہو، لیکن مجھے امید ہے کہ اس دہائی کے خاتمے تک یہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔''

برصغیر سے وولپرٹ کی ۵۸ سالہ وابستگی، ۲۰ سے زیادہ کتابوں کی صورت میں ڈھل چکی ہے۔ اس کی ابتداء، پی ایچ ڈی میں ان کے مقالے سے ہوئی تھی، یونیورسٹی آف پنسلوانیا میں یہ مقالہ انہوں نے ہندوستانی مجاہدین آزادی بال گنگادھر تلک اور گوپال کرشن گوکھلے پر تحریر کیا تھا۔ یہ تقابلی سوانح حیات ۱۹۶۲ میں ''تلک اور گوکھلے'' کے نام سے شائع ہوئی۔

وولپرٹ کہتے ہیں، ''جس کتاب کو بھی لکھنے کا میں نے ارادہ کیا، اُس نے میرے سامنے مہیب چنوتیاں کھڑی کردیں حالانکہ عام طور پر، پانچ سال میں اپنے موضوع کا احاطہ کرلیتا ہوں۔ شاید میری پہلی علمی کاوش، تلک اور گوکھلے سب سے زیادہ مشکل لگی کیونکہ یہ میری پہلی تخلیق تھی۔''

تاریخ ہندوستان پر ان کی علمی وتاریخی کاوشات میں برطانوی راج، جنوبی ایشیاء میں مقابلہ آرائی اور جلیان والا باغ قتل عام کے ساتھ ساتھ قومی رہنماؤں کی سوانح حیات۔ متنازعہ فیہ نہرو: اے ٹرسٹ ووڈ سٹیٹمنی، جناح آف پاکستان اور زلفی بھٹو آف پاکستان وغیرہ شامل ہیں۔

وولپرٹ نے یو ایس ایل اے ٹوڈے کو بتایا کہ ان کی تمام کتابوں میں یہ ہندوستان کی انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے اور ''میری تخلیقی زندگی کی عظیم ترین تخلیق ہے۔'' چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی تدوین میں دنیا کے گوشے گوشے سے ۲۰۰ سے زیادہ ماہرین نے حصہ لیا جس کی تہذیب وترتیب میں وولپرٹ کو پانچ سال لگے۔

''گاندھی کے جذبات'' کے مصنف کا ''لگے رہو منا بھائی'' کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ فلم نہ صرف دور حاضر سے مطابقت رکھتی ہے بلکہ اپنی معنویت کے اعتبار سے بے حد اہم بھی ہے۔ اس فلم نے گاندھیائی نظریات میں ان کی دلچسپی کو ایک نئی تقویت بخشی ہے۔ ''بالخصوص ایک ایسے دور میں جب جنگ مسائل کو سلجھانے میں بری طرح ناکام ہوگئی ہو، میں سمجھتا ہوں کہ امن اور عدم تشدد کی اہمیت پر ان کے اصرار پیہم کو فروغ دیا جانا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نوجوان نسل جنگ، ہلاکت اور بربادی سے بیزار ہوگئی ہے اور اسے احساس ہوگیا ہے کہ نفرت کو جڑ سے ختم کردینے کا اس کا پیغام ہم سب کے لئے انتہائی قیمتی ہے''۔

اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہ ہند۔ امریکی تعلقات کا مستقبل تابناک ہے، وولپرٹ کہتے ہیں، ''میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ہی ایسی قدروں کے پاسدار ہیں جو نہ صرف جمہوری ہیں بلکہ اس طرح وضع کی گئی ہیں تاکہ دنیا کو ایک نسبتاً محفوظ مقام بنانے میں ممد ومعاون ہوں۔ اور یہ دوستی..... آئندہ سالوں میں اور بھی پروان چڑھے گی کیونکہ اقتصادی روابط بڑھ رہے ہیں۔ ان روابط کی وجہ سے اور زیادہ امریکی ہندوستان آرہے ہیں اور اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہورہے ہیں بالکل اسی طرح، جس طرح میں ۵۸ سالوں قبل اس کے دام محبت کا اسیر ہوگیا تھا۔''

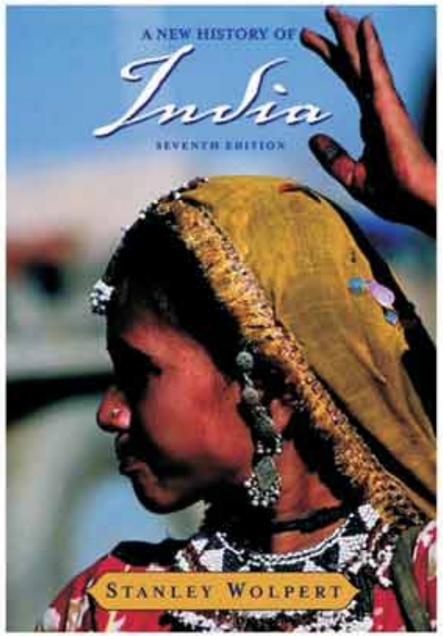

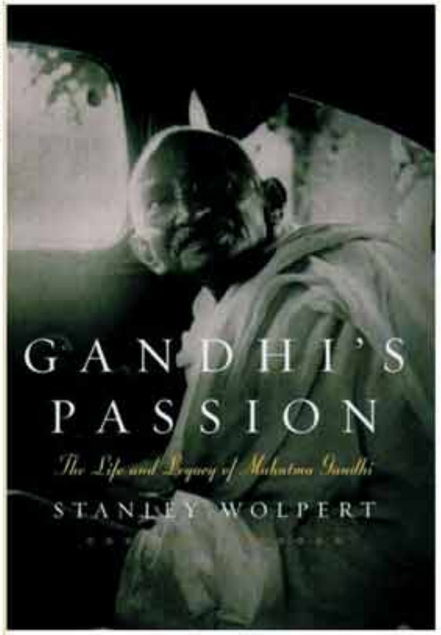

اسٹینلی وولپرٹ کی کتابیں نئی دہلی، کلکتہ اور چنئی کی امریکن لائبریریوں میں موجود ہیں۔

زیر نظر مضمون پر اپنی رائے @editorspan state.gov پر ارسال فرمائیں۔